ابتدائیہ

محمد رحمت اللہ

ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کا

بیسواں فقہی اجتماع

طے شدہ نظام کے مطابق جمعیۃ علماء ہند کے تحت قائم ادارۃ المباحث الفقہیہ کا بیسواں فقہی اجتماع مشہور تاریخی شہر حیدرآباد میں مورخہ یکم/۲/۳/ اکتوبر ۲۰۲۵ء کو منعقد ہوا جس میں اطراف واکناف سے علماء کرام اور مفتیان عظام نے شرکت کی۔

حضرت مولانا عبدالقوی صاحب مہتمم مدرسہ اشرف العلوم حیدرآباد کے حسن انتظام سے مشہور مسجد عالمگیر واقع ہائی ٹیک سٹی میں تین دن مسلسل اہل علم کا یہ عظیم اجتماع نہایت کامیابی سے تکمیل کو پہنچا۔ افتتاحی اجلاس حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند کی زیر صدارت پہلے دن یعنی یکم اکتوبر بدھ کو شام ساڑھے چار بجے منعقد ہوا۔ جس میں موصوف کے وقیع اور جامع خطبہ افتتاحیہ کے علاوہ، مولانا عبدالقوی صاحب کا مہمانان کرام کے استقبال وتشکر پر مشتمل استقبالیہ بھی شامل تھا۔ نظامت کے فرائض مولانا مفتی سید محمد عفان صاحب منصورپوری شیخ الحدیث جامع مسجد امروہہ نے انجام دیئے۔ راقم السطور کو بھی تأثرات پیش کرنے کا حکم دیا گیا۔

اس اجتماع میں عبادات اور معاملات سے متعلق دو اہم موضوعات کو زیر

بحث لایا گیا، عبادات سے متعلق موضوع میں ''مسافتِ سفر اور اس کی تفصیلات'' سے متعلق طویل جزئیات تھیں، جبکہ معاملات سے متعلق موضوع میں ''آن لائن تجارت'' سے متعلق جدید پیش آنے والے کئی مسائل تھے۔

پہلی نشست جو بعد نماز مغرب منعقد ہوئی کی صدارت (جس میں آن لائن تجارت کے مسائل کی بحث تھی) مشہور عالم دین وفقیہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ نے فرمائی۔

اگلے روز یعنی ۲/ اکتوبر کی صبح کو پہلی نشست کی صدارت کا فریضہ احقر راقم السطور کے کندھوں پر ڈال دیا گیا، جس میں دوسرے موضوع یعنی سفر سے متعلق مسائل میں سے چھ مسائل کو زیر بحث لایا گیا، اس کے معاً بعد اگلی نشست اسی موضوع سے متعلق باقی چھ مسائل پر مشتمل منعقد ہوئی جس کی صدارت مشہور فقیہ اور عالم دین حضرت مولانا مفتی شبیر احمد قاسمی صدر مفتی وشیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد نے فرمائی۔

تمام نشستوں میں ہر موضوع سے متعلق نہایت عرق ریزی اور محنت سے حضرات مفتیان کرام کے لکھے گئے مقالہ جات کا خلاصہ عرض مسئلہ کے طور پر پیش کیا گیا۔ عرض مسئلہ پیش کرنے کا فریضہ حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ معروفی استاد تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند اور مولانا مفتی عبدالرزاق امروہوی استاد دارالعلوم دیوبند نے ادا کیا۔

عرض مسئلہ کے بعد حسب معمول مناقشہ ہوا جو نہایت جاندار اور دلائل سے

بھرپور تھا۔ موقف کی وکالت کرنے والے حضرات نے اپنے اپنے دلائل اور دوسروں کے جوابات کو پیش کرنے میں نہایت جوش وجذبہ اور قوت وہمت کا بھرپور استعمال کیا۔

بحث کے اختتام پر حسب معمول تجاویز بنانے کے لیے ماہر مفتیان کرام پر مشتمل ذیلی کمیٹیاں ترتیب دی گئیں اور اسی روز بعد مغرب حضرات اکابر علماء کی موجودگی میں ان پر نظر ثانی ہوئی۔

اس مجلس میں جملہ موجود اکابر نے نہایت باریک بینی اور احتیاط کے ساتھ تجاویز کے ایک ایک لفظ پر غور کیا۔ حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی دامت برکاتہم کی سرپرستی میں منعقد یہ مجلس بعد مغرب سے نصف شب تک حکم شرعی کو متعین کرنے اور عبارت کی نوک پلک درست کرنے اور تجاویز کو مرتب کرنے میں جاری رہی۔

اگلے روز یعنی ۳؍اکتوبر بر جمعۃ المبارک کو پھر حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی کی صدارت میں صبح سات بجے سے لے کر ۱۰ بجے تک، جملہ حاضرین کے سامنے ان تجاویز کے ایک ایک لفظ کو پیش کر کے مزید بحث وتنقیح اور تعبیرات و تشریحات کی جانچ پڑتال کے بعد اتفاق رائے سے منظور کیا گیا۔

اس طرح سے یہ قیمتی اجتماع حضرت مہتمم صاحب وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند دامت برکاتہم کی دعا کے ساتھ بخیر وخوبی اختتام پذیر ہوا۔ تجاویز کو من وعن اس شمارے میں آگے کے صفحات میں شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔

****

بیسواں فقہی اجتماع ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند

منعقدہ: ۸؍تا ۱۰؍ربیع الثانی ۱۴۴۷ھ، مطابق 1 تا 3؍اکتوبر 2025ء بروز بدھ، جمعرات، جمعہ

بمقام: مسجد عالم گیر ہائی ٹیک سٹی حیدرآباد، تلنگانہ

میں منظور شدہ تجاویز

سفر سے متعلق کچھ حل طلب مسائل

(۱) تین دن تین رات کی وہ مسافت جس کو بآسانی متوسط قوت والا آدمی معتدل علاقوں میں سال کے سب سے چھوٹے دنوں میں تمام ضروریات شرعیہ وطبعیہ کا لحاظ کرتے ہوئے پیدل چل کر یا اونٹ کی سواری سے طے کرتا ہے، وہ شرعی مسافت سفر ہے، کلومیٹر کے حساب سے اس کی مقدار اکثر اکابر کے نزدیک ۷۷؍کلومیٹر ۲۴۸؍میٹر بنتی ہے اور یہی مقدار راجح ہے؛ تاہم بعض مفتیان کرام کی رائے کے مطابق اس کی مسافت ۸۲؍کلومیٹر ۲۹۶ میٹر یا اس سے زائد مقدار بنتی ہے؛ لہٰذا اگر کوئی اس رائے پر عمل کرے تو اس میں بھی مضائقہ نہیں ہے۔

(۲) بری، بحری، پہاڑی اور فضائی اسفار کا معیار بھی مسافت سفر کے باب میں تین دن تین رات ہے؛ اگرچہ بر و بحر اور پہاڑی علاقوں میں کلومیٹر کے حساب سے تفاوت ہوجاتا ہے؛ لیکن سہولت کے پیش نظر ہر قسم کے اسفار کے لئے بری مسافت کو ہی معیار بنانا مناسب ہے؛ البتہ دشوار گزار پہاڑی خطوں میں سفر کرنے والوں کو کلومیٹر کے ذریعہ مسافت سفر کی تحدید کے لئے علاقے کے معتبر علماء سے رجوع کر کے عمل کرنا چاہیے۔

(۳) کوئی شہر چاہے جتنا بڑا ہو، اگر وہ عرفی اور قانونی اعتبار سے ایک شہر مانا جاتا ہے، تو

****

اگر چہ ایک جانب سے سفر شروع کرنے کے بعد دوسری جانب پہنچنے تک مسافت سفر مکمل ہوجاتی ہو، پھر بھی اس سے سفر شرعی کا تحقق نہ ہوگا اور قصر کی رخصت حاصل نہ ہوگی۔

(۴) مسافت شرعی کی ابتدا وانتہاء کسی بھی شہر یا آبادی کی قانونی وعرفی حدود سے شمار ہوگی؛ خواہ وہ کوئی چھوٹا سا شہر ہو یا دہلی اور ممبئی جیسا بڑا شہر۔

(۵) اگر دو یا چند شہروں کی آبادیاں متصل ہوجائیں اور دیکھنے میں ایک ہی شہر معلوم ہونے لگے؛ جبکہ عرف وقانون کی نگاہ میں ان کی الگ الگ حیثیت باقی ہو، تو محض اس ظاہری اتصال سے دو مستقل جداگانہ آبادیاں ایک شہر قرار نہیں پائیں گی؛ بلکہ الگ الگ ہی رہیں گی اور ایک شہر کی متعینہ حد سے نکلتے ہی سفر کا آغاز ہوجائے گا۔

(۶) ایسے دو شہر جن کے درمیان پہلے کبھی مسافت سفر تھی اور قصر کا حکم تھا؛ لیکن آبادی بڑھ جانے کی وجہ سے اب ان دو شہروں کے درمیان مسافت سفر باقی نہیں رہی تو اب قصر کا حکم بھی باقی نہیں رہے گا۔

(۷) اگر کوئی مسافر بس ٹرین وغیرہ زمینی سواریوں کے ذریعہ اپنے وطن اصلی سے بالاختیار یا بلا اختیار گزرے تو اس کا سفر شرعی باطل ہوجائے گا اور وہ مقیم ہوجائے گا؛ البتہ اپنے وطن اصلی کی فضا سے ہوائی جہاز وغیرہ فضائی سواریوں سے گزرنے والے کا سفر شرعی باطل نہیں ہوگا۔

(۸) اُصولی طور پر وطن اقامت سفر سے باطل ہوجاتا ہے؛ لیکن موجودہ دور میں ائمہ مساجد وغیرہ کی ضرورت کے پیش نظر یہ قول اختیار کیا جاسکتا ہے کہ وہ جائے ملازمت جہاں انسان اہل وعیال یا ساز وسامان کے ساتھ رہتا ہو اور وہاں وطن بنائے بغیر مستقل قیام کی نیت کی ہو تو ایسا وطن اقامت سفر شرعی سے باطل نہیں ہوگا؛ لہٰذا سفر

****

سے واپسی پر اقامت کی از سر نو نیت کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

(۹) اگر کوئی اپنے وطن اصلی کے علاوہ دوسرا وطن بنالے؛ لیکن پہلے وطن اصلی کو بالکلیہ چھوڑنے کا ارادہ نہ کیا ہو، تو پہلا وطن اصلی برقرار رہے گا؛ خواہ اس کی زمین وجائیداد وہاں ہو یا نہ ہو۔

(۱۰) ایسی بالغ اولاد جو بود وباش یا کسب معاش میں اپنے والد کے تابع نہ ہو، وہ کسی مقام کو وطن اصلی بنانے یا وطن اصلی کو ترک کرنے کے سلسلے میں والد کے تابع نہیں ہوگی؛ بلکہ خود ان کی اپنی نیت معتبر ہوگی؛ البتہ وہ بالغ اولاد جو بود وباش اور کسب معاش میں اپنے والد کے تابع ہوکر رہتی ہو وہ والد کے تابع ہی رہے گی۔

(۱۱) وہ تمام ممالک جہاں مستقلاً رہائش اختیار کرنا ممکن نہ ہو، وہاں وطن کے طور پر مستقل رہائش کی نیت کر لینے سے شرعاً وہ وطن اصلی بن جائیں گے؛ چاہے وہاں کی شہریت حاصل ہو یا نہ ہو۔

(۱۲) اگر سعودیہ عربیہ کے کسی شہر میں کوئی شخص مستقل طور پر مقیم ہو وہ حج تمتع کے لئے سفر کرنے کے بعد اپنے اس شہر میں واپس آجائے تو المام صحیح کے پائے جانے کی وجہ سے اس کا تمتع باطل ہوجائے گا۔

تجویز: (۲)

آن لائن تجارت اور سرمایہ کاری کی بعض شکلوں کی تنقیح

ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کے بیسویں فقہی اجتماع میں آج کل مروجہ ’’آن لائن تجارت اور سرمایہ کاری کی بعض شکلوں‘‘ سے متعلق بحث وتمحیص کے بعد درج ذیل فیصلے کئے گئے:

****

(۱) کسی ویب سائٹ پر اپنا اسٹور کھول کر یا اپنا کوئی چینل گروپ بنا کر سامان کی تشہیر کرنا پھر آرڈر دینے والے کو دوسری جگہ سے معاملہ کر کے سامان بھیجنے کی بات کرنا شرعاً ایک وعدہ ہے، جس کی پاس داری فریقین پر لازم ہے؛ لیکن چونکہ ابھی یہ معاملہ منعقد نہیں ہوا ہے، اس لئے فریقین میں سے ہر ایک کو کسی ناگزیر سبب سے وعدہ ختم کرنے کا اختیار ہوگا؛ البتہ تشہیر کرنے والے کو چاہئے کہ اپنے اسٹور یا اپنے چینل وغیرہ میں یہ وضاحت کر دے کہ سامان مارکیٹ سے حاصل کر کے فراہم کیا جائے گا اور وصول یابی پر معاملہ مکمل سمجھا جائے گا۔

(۲) آن لائن اسٹور (جیسے امیزون اور فلپ کارٹ وغیرہ) سے سامان کی تصویر دیکھنے کے بعد آرڈر دے کر اس کو منگوانا جائز ہے۔

(۳) کرنسی کی فاریکس ٹریڈنگ کی مروجہ شکلوں میں عموماً جواز کی شرطیں نہیں پائی جاتیں؛ اس لئے یہ ٹریڈنگ شرعاً جائز نہیں ہے؛ خواہ خود کریں یا روبوٹ وغیرہ کے ذریعہ کی جائے۔

(۴) ”نوکاسٹ“ ای ایم آئی“ کی سہولت سے فائدہ اٹھانے کی اس وقت گنجائش ہے جب کہ یہ اطمینان ہو کہ وقت پر قسطیں ادا کر دی جائیں گی؛ البتہ پروسیسنگ فیس لینے کی صورت میں جواز اس شرط کے ساتھ مقید ہوگا کہ وہ فیس متعین اور واجبی ہو۔

(۵) مروجہ میوچول فنڈز میں عموماً جواز کی شرطیں نہیں پائی جاتیں، اس لیے ان میں سرمایہ کاری سے بچنا ضروری ہے؛ البتہ اگر کسی جگہ قابل اعتماد ذرائع سے یہ معلوم ہو جائے کہ میوچول فنڈز ناجائز کاروبار اور بانڈز وغیرہ سے بچ کر صرف حلال کمپنیوں میں سرمایہ کاری کرتے ہیں۔ تو ان میں حسبِ شرائط سرمایہ کاری کی گنجائش ہے۔

****

النور کا تعاون

از: محمد رحمت اللہ مدیر ماہنامہ ”النور“

یہ بات قارئین گرامی کے زیر نظر ہوگی کہ ماہ نامہ النور اردو چالیس صفحات پر مشتمل پھر رنگین ٹائٹل مع ضروری تصاویر مدرسہ جس سے کارکردگی معلوم ہوتی ہے آپ کی خدمت میں مسلسل پیش کیا جا رہا ہے۔ انتہائی نامساعد اور ناگزیر حالات میں بھی یہ سلسلہ سینتیس (۳۷) سال کے عرصے سے مسلسل اپنا سفر جاری رکھے ہوئے ہے اس دوران دنیاوی حالات چاہے موسم کے اعتبار سے ہوں یا زمینی وسماوی آفات کے اعتبار سے یا ملکی وسیاسی، آہستہ آہستہ ہی سہی، یہ رسالہ قارئین کی خدمت میں پیش ہو کر ان کو علمی، دینی، اصلاحی اور دعوتی غذا فراہم کرتا رہا۔ یہ سب کچھ اللہ کی توفیق سے ہوا۔

ابتداء میں لیتھو کی طباعت، ہاتھوں کی کتابت اور ممکن دستیاب وسائل کے تحت ہلکے پھلکے کاغذ سے ہی کام چلتا رہا لیکن آج کی تاریخ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے کمپیوٹر کی کتابت، آفسیٹ کی طباعت، اعلیٰ معیاری کاغذ نیز موجودہ ماحول کے اعتبار سے عمدہ پیکنگ کے ساتھ رسالہ شوقین حضرات کی خدمت میں پیش کئے جانے کی مسلسل کوشش ہوتی رہتی ہے، بعض مرتبہ دستی اور بعض مرتبہ ڈاک کے ذریعہ سے رسالہ کی ترسیل کو یقینی بنانے کی کوشش بدستور جاری ہے۔ جس کا قارئین گرامی کو وقتاً فوقتاً اندازہ ہوتا رہتا ہوگا۔

رسالہ تجارتی نیت سے نہیں بلکہ دینی خدمت کے نقطۂ نظر سے شائع کیا جاتا ہے۔ اسلئے اس کی لاگت اور اخراجات کا آمدنی کے ساتھ کوئی موازنہ نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ اشاعت اسلام، حفاظت اسلام اور شریعت مطہرہ کی تشریح، تسہیل اور

****

تفصیل جس طرح سے زبانی اور تقریری طور پر امت مسلمہ کے سامنے پیش کی جاتی ہے اسی طرح سے تحریری طور پر کتابوں، رسائل اور پمفلٹوں کے ذریعہ بھی یہ خدمت انجام دی جاتی ہے۔ اور اسی سلسلہ میں یہ رسالہ خدمت انجام دے رہا ہے۔

تاہم بندگان خدا میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو اس تحریری سلسلہ میں اپنا حصّہ لینا چاہتے ہیں۔ اس طرح سے اپنے لئے ذخیرہ آخرت کر لیتے ہیں۔ موجودہ عرف میں اس معاونت کو عام طور پر رسائل اور جرائد والے خریداران کی فہرست میں شمار کرتے ہیں اور اصطلاح میں رقم ادا کرنے والوں کو خریداران کے نام سے ہی پکارا جاتا ہے مگر حقیقت یہی ہے کہ جس محنت اور لاگت سے ایسے دینی رسائل تیار ہوتے ہیں معمولی معاوضہ اس کی اجرت نہیں بن سکتا۔ تاہم اسی عرف کے ماتحت ماہنامہ ''النور'' کی بھی اس وقت ماہانہ قیمت پندرہ روپے کی شرح کے ساتھ حساب میں لکھا جاتا ہے۔ اور سالانہ مبلغ ڈیڑھ دوسو روپے کا حساب بنایا جاتا ہے۔ مگر مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ گرانی اور مہنگائی کے ماحول میں اب یہ عمومی زرتعاون سالانہ جو ایک سو پچاس روپے تھا مبلغ دوسو روپے کر دیا جائے۔ اسی طرح سے خصوصی حضرات کا تعاون ان کی اپنی صوابدید پر رکھا جائے کیوں کہ اب اس ماحول میں روپے کی قیمت روز بروز گھٹتی جارہی ہے اس لئے ابتدائی خصوصی تعاون مبلغ پانچ سو روپے سالانہ قرار دیا جائے۔ گویا یہ النور کی خریداری نہیں ہوگی بلکہ اس دینی کام میں ایک تعاون ہوگا جس سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے صدقۂ جاریہ کی طرح اجر وثواب کی امید کی جاسکتی ہے۔ امید ہے کہ قارئین ومتعلقین اور دینی کاموں کی اشاعت وحفاظت کا جذبہ رکھنے والے اس چیز کی حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

****

اسباق تفسیر

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جرم وسزا کے چند انقلابی ضابطے

اِنَمَا جَزَآءُ الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِکَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ O اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ O

یہی سزا ہے ان کی جو لڑتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو، کہ ان کو قتل کیا جائے، یا سولی چڑھائے جاویں، یا کاٹے جاویں ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے، یا دور کردیئے جائیں اس جگہ سے، یہ ان کی رسوائی ہے دنیا میں، اور آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ مگر جنہوں نے توبہ کی تمہارے قابو پانے سے پہلے تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

خلاصۂ تفسیر:

جو لوگ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لڑتے ہیں اور (اس لڑنے کا مطلب یہ ہے کہ) ملک میں فساد (یعنی بدامنی) پھیلاتے پھرتے ہیں (مراد اس سے رہزنی یعنی ڈکیتی ہے، ایسے شخص پر جس کو اللہ نے قانون شرعی سے جس کا اظہار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہوا ہے امن دیا ہو

****

یعنی مسلمان پر اور ذمی پر، اور اسی لئے اس کو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنا کہا گیا ہے، کہ اس نے اللہ کے دیئے ہوئے امن کو توڑا، اور چونکہ رسول کے ذریعہ سے اس کا ظہور ہوا اس لئے رسول کا تعلق بھی بڑھا دیا۔ غرض جو لوگ ایسی حرکت کرتے ہیں) ان کی یہی سزا ہے کہ (ایک حالت میں تو) قتل کئے جائیں (وہ حالت یہ ہے کہ ان رہزنوں نے کسی کو صرف قتل کیا ہو اور مال لینے کی نوبت نہ آئی ہو) یا (اگر دوسری حالت ہوئی ہو تو) سولی دیئے جائیں (یہ وہ حالت ہے کہ انہوں نے مال بھی لیا ہو اور قتل بھی کیا ہو) یا (اگر تیسری حالت ہوئی ہو تو) ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے (یعنی داہنا ہاتھ بایاں پاؤں) کاٹ دیئے جائیں (یہ وہ حالت ہے کہ صرف مال لیا قتل نہ کیا ہو) یا (اگر چوتھی حالت ہوئی ہو تو) زمین پر (آزادانہ آباد رہنے) سے نکال (کر جیل میں بھیج) دیئے جائیں (یہ وہ حالت ہے کہ نہ مال لیا ہو نہ قتل کیا ہو قصد کرنے کے بعد ہی گرفتار ہو گئے ہوں) یہ (سزائے مذکور تو) ان کے لئے دنیا میں سخت رسوائی (اور ذلت) ہے، اور ان کو آخرت میں (جو) عذاب عظیم ہوگا (سو الگ)۔ ہاں مگر جو لوگ قبل اس کے کہ تم ان کو گرفتار کرو، توبہ کرلیں تو (اس حالت میں) جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ (اپنے حقوق) بخش دیں گے (اور توبہ قبول کرنے میں) مہربانی فرمادیں گے (مطلب یہ کہ اوپر جو سزا مذکور ہوئی ہے، وہ حد اور حق اللہ کے طور پر ہے، جو کہ بندہ کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتی۔ قصاص و حق العبد کے طور پر نہیں جو کہ بندہ کے معاف کرنے سے معاف ہو جاتا ہے، پس جبکہ قبل گرفتاری کے ان لوگوں کا تائب ہونا ثابت ہو جاوے تو حد ساقط ہو جاوے گی، جو کہ حق اللہ تھا، البتہ حق العبد باقی رہے گا، پس اگر مال لیا ہوگا اس کا

****

ضمان دینا ہوگا، اور اگر قتل کیا ہوگا تو اس کا قصاص لیا جاوے گا، لیکن اس ضمان و قصاص کے معاف کرنے کا حق صاحبِ مال و ولی مقتول کو حاصل ہوگا)

قرآنی قوانین کا عجیب وغریب انقلابی اسلوب

پہلی آیتوں میں ہابیل کا واقعہ قتل اور اس کا جرم عظیم ہونا مذکور تھا، مذکورہ آیات میں اور ان کے بعد قتل و غارت گری، ڈاکہ زنی اور چوری کی شرعی سزاؤں کا بیان ہے، ڈاکہ اور چوری کی سزاؤں کے درمیان خوف خدا اور بذریعہ طاعات اس کا قرب حاصل کرنے کی تلقین ہے، قرآن کریم کا یہ اسلوب نہایت لطیف طریقہ پر ذہنی انقلاب پیدا کرنے والا ہے، کہ وہ دنیا کی تعزیرات کی کتابوں کی طرح صرف جرم وسزا کے بیان پر کفایت نہیں کرتا، بلکہ ہر جرم وسزا کے ساتھ خوف خدا و آخرت مستحضر کر کے انسان کا رخ ایک ایسے عالم کی طرف موڑ دیتا ہے، جس کا تصور اس کو ہر عیب و گناہ سے پاک کر دیتا ہے، اور اگر حالات و واقعات پر غور کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ خوف خدا اور آخرت کے بغیر دنیا کا کوئی قانون، پولیس اور فوج دنیا میں انسداد جرائم کی ضمانت نہیں دے سکتی، قرآن کریم کا یہی اسلوب حکیمانہ اور مربیانہ طرز ہے، جس نے دنیا میں انقلاب برپا کیا، اور ایسے انسانوں کا ایک معاشرہ پیدا کیا جو اپنے تقدس میں فرشتوں سے بھی اونچا مقام رکھتے ہیں۔

ڈاکہ اور چوری کی شرعی سزائیں جن کا ذکر آیات مذکورہ میں ہے، انکی تفصیل اور متعلقہ آیات کی تفسیر بیان کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ ان سزاؤں سے متعلق شرعی اصطلاحات کی کچھ وضاحت کر دی جائے، جن سے ناواقفیت کی وجہ سے بہت سے لکھے پڑھے لوگوں کو بھی اشکالات پیش آتے ہیں، دنیا کے عام قوانین میں جرائم کی

****

تمام سزاؤں کو مطلقاً تعزیرات کا نام دیا جاتا ہے،خواہ وہ کسی جرم سے متعلق ہو،تعزیرات ہند،تعزیرات پاکستان وغیرہ کے ناموں سے جو کتابیں شائع ہو رہی ہیں،وہ ہر قسم کے جرائم اور ہر طرح کی سزاؤں پر مشتمل ہیں،لیکن شریعت اسلام میں...معاملہ ایسا نہیں، بلکہ جرائم کی سزاؤں کی تین قسمیں قرار دی گئیں۔

حدود،قصاص،تعزیرات،ان تینوں قسموں کی تعریف اور مفہوم سمجھنے سے پہلے ایک یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ جن جرائم سے کسی دوسرے انسان کو تکلیف یا نقصان پہنچتا ہے اس میں مخلوق پر بھی ظلم ہوتا ہے،اور خالق کی بھی نافرمانی ہوتی ہے،اس لئے ہر ایسے جرم میں حقُ اللہ اور حقُ العبد دونوں شامل ہوتے ہیں،اور انسان دونوں کا مجرم بنتا ہے۔

لیکن بعض جرائم میں حق العبد کی حیثیت کو زیادہ اہمیت حاصل ہے،اور بعض میں حق اللہ کی حیثیت زیادہ نمایاں ہے،اور احکام میں مدار کار اسی غالب حیثیت پر رکھا گیا ہے۔

دوسری بات یہ جاننا ضروری ہے کہ شریعت اسلام نے خاص خاص جرائم کے علاوہ باقی جرائم کی سزاؤں کے لئے کوئی پیمانہ متعین نہیں کیا، بلکہ قاضی کے اختیار میں دیا ہے کہ زمانہ اور مکان اور ہر ماحول کے لحاظ سے جیسا اور جتنی سزا انسداد جرم کے لئے ضروری سمجھے وہ جاری کرے،یہ بھی جائز ہے کہ ہر جگہ اور ہر زمانے کی اسلامی حکومت شرعی قواعد کا لحاظ رکھتے ہوئے قاضیوں کے اختیارات پر کوئی پابندی لگاوے اور جرائم کی سزاؤں کا کوئی خاص پیمانہ دے کر اس کا پابند کر دے،جیسا کہ قرون متاخرہ میں ایسا ہوتا رہا ہے،اور اس وقت تمام ممالک میں تقریباً یہی صورت رائج ہے۔

****

اسباق حدیث

حدیث کے اصلاحی مضامین

افادات:حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

سب سے زیادہ عزت والا کون؟

عن أبی هريرة رضی الله عنه **قال: قيل: يا رسول الله! مَنْ أَكْرَمُ النَّاسِ؟ قَالَ: أَتْقَاهُمْ. فقالوا: لَيْسَ عَنْ هٰذَا نَسْأَلُكَ ،قَالَ: فَيُوْسُفُ نَبِيُّ اللّٰهِ بْنُ نَبِيِّ اللّٰهِ بْنِ نَبِيِّ اللّٰهِ بْنِ خَلِيْلِ اللّٰهِ قَالُوْا: لَيْسَ عَنْ هٰذَا نَسْأَلُكَ. قَالَ: فَعَنْ مَعَادِنِ الْعَرَبِ تَسْئَلُوْنِیْ؟ خِيَارُهُمْ فِی الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِی الْاِسْلَامِ اِذَافَقُهُوْا.** (متفق عليه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ کے یہاں لوگوں میں سب سے زیادہ عزت والا کون ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی جتنا زیادہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچائے گا اور جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا، وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں زیادہ عزت والا ہے۔ **اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ** عزت کا مدار اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچانے پر ہے۔اس روایت کو پیش کر کے یہی بتلانا مقصود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا جواب یہی تھا: (اتقاهم) صحابہ نے عرض کیا: ہمارے سوال کا منشا یہ نہیں ہے کہ بلکہ کچھ اور پوچھنا

****

چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے زیادہ عزت والا کون ہے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: حضرت یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں، اور وہ بیٹے ہیں اللہ کے نبی حضرت یعقوب کے، اور وہ بیٹے ہیں اللہ کے نبی حضرت اسحاق کے اور وہ بیٹے ہیں اللہ کے خلیل یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے۔ گویا ان کے گھرانے میں نبوت چار پشتوں تک جاری رہی۔ اس سے زیادہ عزت والا اور کون ہوگا؟ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمارے سوال کا مقصد یہ بھی نہیں ہے۔

ہر خاندان کے امتیازی اوصاف ہوتے ہیں

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **فَعَنْ مَعَادِنِ الْعَرَبِ تَسْئَلُوْنِی؟** عرب کی کانوں (خاندان، قبائل) کے متعلق مجھ کو سوال کر رہے ہو؟ قبیلوں کو معادن سے تعبیر اس لئے کیا کہ ہر قبیلہ کے اندر کچھ نہ کچھ امتیازی اوصاف اور خصوصیات ہوا کرتی ہیں کہ اس قبیلہ میں پیدا ہونے والا ان امتیازی اوصاف کو اپنے اندر لے کر آتا ہے۔ جیسے سونے کی کان میں سے سونا نکلے گا اور چاندی کی کان میں سے چاندی نکلے گی، پیتل کی کان میں سے پیتل نکلے گا۔ اسی طریقہ سے ہر قبیلے اور خاندان کی کچھ امتیازی خوبیاں ہوا کرتی ہیں۔ جب کوئی بچہ اس قبیلہ میں پیدا ہوتا ہے تو اس میں وہ خوبیاں اور امتیازی اوصاف قدرتی طور پر موجود ہوتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اس کے متعلق پوچھتے ہو؟ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ اِذَا**

****

فَقُهُوْا جو قبائل زمانۂ جاہلیت میں عمدہ اور اعلیٰ سمجھے جاتے تھے، اسلام میں بھی وہی اعلیٰ اور عمدہ ہیں۔ یعنی اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں جن قبائل کو دوسرے قبائل کے اوپر جو امتیاز اور فوقیت حاصل تھی اور اپنی خوبیوں اور کمالات کی وجہ سے وہ دوسرے قبائل سے اونچے سمجھے جاتے تھے، اسلام کے بعد بھی وہی سلسلہ باقی ہے، بشرطیکہ وہ دین کی سمجھ حاصل کرلیں۔

سونے پر سہاگہ

اسی ارشاد کو سامنے رکھ کر علماء نے فرمایا ہے کہ کسی آدمی کو اگر خاندانی شرافت حاصل ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اگر علم حاصل کر لے، فقاہت اور دینی سمجھ پیدا کر لے تو یہ خاندانی شرافت اس کے لئے کارآمد بن جائے گی۔ اور اگر صرف خاندانی شرافت ہے اور کوئی خوبی نہیں ہے، ایمان نہیں ہے، عملِ صالح نہیں ہے، فقاہت اور دین کی سمجھ نہیں ہے، تو پھر یہ خاندانی شرافت اس کے لئے کوئی کارآمد نہیں ہے۔ اگر خاندانی شرافت کے ساتھ یہ ساری چیزیں بھی ہیں تو پھر چار چاند لگ جائیں گے۔ سونے پر سہاگہ ہو جائے گا۔ نور علیٰ نور والا معاملہ ہو جائے گا۔

اور ایک آدمی وہ ہے جس کو خاندانی شرافت حاصل نہیں، لیکن اس میں ایمان ہے، عملِ صالح ہے اور علم حاصل کیا ہے، تو پھر اس کی وجہ سے اس کا مقام بلند ہوگا۔ لیکن جس کو تین چیزوں کے ساتھ چوتھی چیز بھی حاصل ہے تو اس کا مقام اس سے بھی بلند سمجھا جائے گا، یہ ایک بدیہی چیز ہے، جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

****

الاحاديث القدسية

یعنی حق جلّ مجدہ کی باتیں

از: مولانا مفتی ثمین اشرف قاسمی صاحب

آخری تہائی رات کی فضیلت

اِن اللّٰه تعالىٰ يُمهِل حتى اِذا كان ثلث الليل الأخير نزل اِلى السماء الدنيا فينَادى هل من تائبٍ؟ هل من مستغفرٍ؟ هل من سائلٍ؟ هَل من داعٍ؟ حتى يَنفَجِرَ الفَجرُ.

أخرجه أبوداؤد الطيالیسی وابن أبی شيبة،وأحمد و عبد بن حميد ومسلم وابو يعلى وابن خزيمة عن أبی سعيد وأبی هريرة معاً۔

ترجمہ: حق جل مجدہ بندوں کو آرام کرنے کی فرصت دیتے ہیں یہاں تک کہ جب ایک تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو آسمان دنیا پر نازل ہوتے ہیں اور آواز دیتے ہیں۔ ہے کوئی توبہ کرنے والا؟ ہے کوئی گناہوں کی مغفرت مانگنے والا؟ ہے کوئی دست سوال پھیلانے والا؟ ہے کوئی دعاء مناجات کرنے والا؟ یہاں تک کہ فجر طلوع ہوجاتی ہے۔

اِن اللّٰه تعالى يُمهل حتى اِذا ذَهب من الليل نِصفُه أو ثُلثه، قال: لا يسألنَّ عبادى غيرى. مَن يسألنى أستجيبُ له؟ من يَسألُنى أعطيه؟ مَن يستغفرُنى أغفرله؟ حتى يطلع الفجر.

أخرجه ابن ماجه عن رفاعة الجهنى

****

ترجمہ: حق جل مجدہ بندوں کو آرام کرنے کی مہلت دیتے ہیں یہاں تک کہ آدھی رات ختم ہوجاتی ہے یا ایک تہائی رات ختم ہوجاتی ہے، ارشاد ہوتا ہے۔ میرے بندے غیروں سے نہیں مانگتے (یعنی بندہ میری طرف متوجہ ہے) جو مجھ سے مانگے گا میں اس کی مرادوں کو پوری کروں گا، جو مجھ سے سوال کرے گا میں اس کو دوں گا، جو مجھ سے گناہوں کی مغفرت چاہے گا میں اس کی مغفرت کروں گا، یہاں تک کہ صبح ہوجاتی ہے۔

بندہ پاؤں کی انگلیوں پر حساب کے لئے کھڑا ہوگا

اِن اللّٰه تعالى ينادى يومَ القيامة بصَوتٍ رفِيع غير فظيع: يا عبادى أنا اللّٰه لا اله اِلا أنا أرحم الرَّاحمينَ، وأحْكَمُ الحَاكِمين، وأسرعُ الحاسبين، يا عبادى لا خوفٌ عليكم اليومَ ولَا أنتم تحزنون، فأحْضِرُوا حُجّتَكم، ويسِّروا جَواباً، فاِنكم مسئولون محاسبون، ياملائكتى أقيموا عبادى صفُوفًا عَلى أطراف أنامل أقدامِهم للحسابِ.

أخرجه ابن منده فی التوحيد، والديلمی عن معاذ۔

ترجمہ: حق جل مجدہ قیامت کے دن بہت ہی بلند وصاف آواز لگائیں گے، اے میرے بندے انا اللہ، میں اللہ ہوں لا اله الا انا، نہیں ہے کوئی معبود مگر میں، ارحم الراحمین اور احکم الحاکمین ہوں اور اسرع الحاسبین ہوں، اے میرے بندو آج نہ تم پر کسی قسم کا خوف و دباؤ ہے اور نہ ہی تم فکرمند و غمگین بنو، پیش کرو اپنی اپنی صفائی اور جلدی جلدی جواب دیدو، اس لئے کہ تم لوگوں سے سوال ہوگا، حساب وکتاب لیا جائے گا، اے فرشتو! میرے بندوں کو ان کے پاؤں کی انگلیوں پر حساب وکتاب کیلئے صف بنا کر کھڑا کردو۔

****

مت پوچھا ان خرقہ پوشوں کی ......قسط (۴۹)

از: مولانا مفتی سید محمد اسحاق ناز کی قاسمی صاحب

(۴) حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن عثمانی علیہ رحمۃ اللہ الباری، وفات ۱۹۲۰ء

زبان پہ بارِ خدایا ! یہ کس کا نام آیا ؟
کہ میرے نطق نے بوسے میری زبان کے، لئے

آپؒ دارالعلوم دیوبند کے بانیٔ اعظم و سرپرست اوّل حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صدیقی (وفات ۱۸۸۰ء) اور اس کے سرپرست دوم امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی انصاریؒ (وفات ۱۹۰۵ء) اپنے چچا جان عالم ربانی حضرت مولانا مہتاب علی عثمانیؒ (وفات ۱۸۸۷ء) عارف باللہ باکمال حضرت مولانا سیّد احمد دہلویؒ (وفات ۱۸۹۴ء) اویسِ زمان حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی صدیقی (وفات ۱۸۸۴ء) اور اپنے والد بزرگوار امام العلوم والفنون حضرت مولانا ذوالفقار علی عثمانیؒ (وفات ۱۹۰۵ء) جیسے اساطینِ امت وعَبَاقِرِ ملّت سے براہِ راست فیض یافتہ ہیں۔(رحمۃ اللہ علیہم)

اس پر مستزاد ذہانت و فطانت، طلب و شوق، تقوی و زہد، شرافت و سادگی، شب خیزی اور ریاضت کشی و مجاہدہ پسندی سے حظِ وافر پائے ہوئے تھے۔ ان خداداد صالحیتوں اور کسبی و اکتسابی صلاحیتوں نے آپ کو وہ مقام عطا کیا تھا جس کی مثال متأخرین میں تو غالبًا ناپید ہے، البتہ؛ متقدمین میں اس کی بہت ساری مثالیں ملتی ہیں۔ خاص طور پر قاسمی آفتاب اور رشیدی مہتاب سے فیض یاب ہوکر برِ صغیر میں بالخصوص اور ساری دنیا میں بالعموم متنوع خدمات کا منبع آپ کی ذاتِ بابرکت ہی

****

ٹھہری ہے۔(سبحان اللہ)

اور ایسے ایسے باکمال مسترشدین (مرید و شاگرد حضرات) آپ کو حضرت اللہ جل مجدہٗ نے عطا کئے ہیں جو بلا مبالغہ اپنے دور کے رازی و غزالی، سیوطی و عراقی۔ محدث دہلوی و امام سرہندی اور ابنِ تیمیہ حرانی و ابن الجوزی جیسے تھے (رحمۃ اللہ علیہم) ذرا اس مختصر سی فہرست پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں جو اصل کا دسواں حصہ بھی نہیں ہے۔(۱) امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری نعمانیؒ (وفات ۱۹۳۳ء)

(۲) شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی حسینیؒ (وفات ۱۹۵۷ء)

(۳) امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ (وفات ۱۹۴۴ء)

(۴) مفسرِ جلیل حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ (وفات ۱۹۶۲ء)

(۵) قطب دوران حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ (وفات ۱۹۱۹ء)

(۶) داعیٔ اسلام حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی صدّیقیؒ (وفات ۱۹۴۴ء)

(۷) حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی فاروقیؒ (وفات ۱۹۴۳ء)

(۸) شیخ الاسلام حضرت علّامہ شبیر احمد عثمانیؒ (وفات ۱۹۴۹ء)

(۹) فخر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ (وفات ۱۹۲۹ء)

(۱۰) محدث دوران حضرت مولانا سیّد فخر الدین حسینیؒ مرادآبادی (وفات ۱۹۷۲ء)

(۱۱) ابوحنیفہ دوران حضرت علّامہ محمد کفایت اللہ دہلویؒ (وفات ۱۹۵۲ء)

(۱۲) اعزاز العلوم والفنون حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ (وفات ۱۹۵۵ء)

(۱۳) فقیہ عصر حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ (وفات ۱۹۲۸ء)

(۱۴) مجاہد جلیل حضرت مولانا محمد میاں المعروف مولانا منصور انصاریؒ (وفات ۱۹۴۶ء)

****

(۱۵) جنیدِ عصر حضرت مولانا سیّد اصغر حسین حسینیؒ (وفات ۱۹۴۴ء)

(۱۶) امام المعقولات حضرت علاّمہ محمد ابراہیم بلیاویؒ (وفات ۱۹۶۷ء)

(۱۷) شیر بیشۂ اسلام حضرت مولانا سیّد مناظر احسن گیلانی حسینیؒ (وفات ۱۹۵۶ء)

(۱۸) علمبردار سنیت حضرت مولانا سیّد محمد مرتضیٰ حسینی چاندپوریؒ (وفات ۱۹۳۱ء)

(۱۹) مجاہد اسلام حضرت مولانا عزیز گل پشاوریؒ (وفات ۱۹۸۹ء)

(۲۰) عارف باللہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبد العلی لکھنویؒ (وفات ۱۹۶۱ء)

(۲۱) بطل جلیل حضرت مولانا عبد الصمد رحمانیؒ (وفات ۱۹۷۳ء)

(۲۲) حضرت مولانا محمد سہول بھاگلپوریؒ (وفات ۱۹۴۸ء)

(۲۳) حضرت مولانا فضل ربی افغانیؒ (۲۴) حضرت مولانا محمد صادق سندھیؒ (وفات ۱۹۵۳ء)

(۲۴) حضرت مولانا سیّد احمد مہاجر مدنی و بانی مدرسہ شرعیہ مدینہ منورہ (وفات ۱۹۳۹ء)

قَدَّسَ اللّٰهُ اَسْرَارَهُمْ وَطَيَّبَ اللّٰهُ مَثْوَاهُمْ

اہل علم ان اکابر کی ریاستی وملکی اور عالمی خدمات متنوعہ سے بخوبی واقف ہیں ان بزرگوں میں سے ہر ایک اپنی ذات کے اعتبار سے ایک انجمن تھا اور امت کے بہت بڑے طبقہ کا قائد تھا۔ حضرت اللہ جل مجدہٗ نے ان سے وہ کام لیا کہ اہل عرب بھی انگشت بدندان ہیں اور اِن جیسے اکابر کی مثال اُن کے یہاں نہیں ملتی۔ قسم بخدا اس میں ذرّہ برابر بھی مبالغہ نہیں ہے۔ الحمد للہ۔

اب نہ دنیا میں آئیں گے یہ لوگ　　　کہیں ڈھونڈے نہ ملیں گے یہ لوگ

اولٓئک آبائی فجئنی بمثلھم　　　اذا جمعتنا یا جریر المجامع

(جاری)

****

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام العصر محدّثِ زماں حضرت علاّمہ مولانا

سیّد محمد انور شاہ کشمیریؒ

از: حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

مورخہ ۶؍ربیع الاول ۱۴۴۷ھ یعنی ۳۱؍اگست ۲۰۲۵ء کو مشہور علمی دانش گاہ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات میں ایک تاریخی اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں بانیان جامعہ اور اولین اکابر کے تذکرہ کو خصوصی طور پر موضوع بحث بنایا گیا تھا اور ان کی زندگیوں اور کارناموں پر مشتمل قیمتی مقالے اور کتابچے تیار کئے گئے تھے۔ نیز ان کا خلاصہ بھی پڑھ کر سنایا گیا۔ ان ہی میں جامعہ کے شیخ الحدیث وصدر مفتی حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم خلیفہ مجاز حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ نے ایک نہایت وسیع، جامع اور قیمتی مقالہ مشہور محدث علامہ حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ پر مرتب فرمایا تھا۔ مقالہ نگار کی عظمت شان پھر جس ذات گرامی پر یہ مقالہ لکھا گیا ہے طویل کتابوں کا نچوڑ، متعدد سوانح نگاروں اور محققین کی تحقیقات کا خلاصہ ہے۔

پہلی نظر میں ہی دل نے یہ ارادہ کرلیا کہ اس قیمتی اور تحقیقی مقالے کو النور کی اشاعت میں شامل کرکے گرامی قدر قارئین کو اس کے مطالعہ کا موقع فراہم کیا جائے تاکہ وہ اس قیمتی ذخیرہ سے مستفید ہوسکیں۔ ساتھ ہی ساتھ دلچسپ معلومات سے مطلع ہوکر اکابر دیوبند اعلی اللہ مراتبھم کے حقیقی مزاج کو سمجھنے میں بھی مدد حاصل کریں گے، کیونکہ دور حاضر میں اپنے اکابر سے زیادہ سے زیادہ قرب ہی اپنے مسلک پر جمنے کی آسان سبیل ہے۔

ایک ہی قسط میں پورے مقالے کو لانا دشوار ہو رہا ہے اس لئے دو قسطوں میں یہ مقالہ اس رسالے کی زینت بنے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ فقط۔

مدیر ماہنامہ النور

****

تاریخ کے کچھ باب اور صفحۂ ہستی کے کچھ اوراق ایسے سنہرے اور تابناک حروف ونقوش سے کندہ ہوتے ہیں جن کی درخشانی ورخشندگی اور تابانی وتابندگی برسوں اور صدیوں تک قائم ودائم رہتی ہے؛ بلکہ ان گوشوں کا تعلق قلب وعقیدت اور جذبات واحساسات سے اگر ہوتو ان کی حیاتِ جاودانی اور زندگیِ مُدامی پر کسی شک وشبہے کی گنجائش نہیں رہتی۔

دنیائے علم وفن میں، کہکشاؤں اور سیاروں کے جھرمٹ میں یوں تو ان گنت تارے آپ کو جھلملاتے اور جگمگاتے نظر آرہے ہیں اور آتے ہی رہیں گے، اور آنے بھی چاہئیں کہ دین حنیف کے چراغ کی لو کو آندھیوں کی زد سے بچانا بھی تو ہے!۔

مطالعۂ تاریخ وکتب بینی کی راہ سے پڑنے والی روشنی میں ہمیں نظر آتا ہے کہ آج سے تقریباً چھ سات صدیوں پہلے تک؛ مفسرین ومحدثین، حفّاظ ومتقنین اور فقہاء وادبا کے جتنے قافلے، اس کوکبِ ارضی پر خیمہ زن ہوئے تھے۔ ان ہی میں کا ایک بچھڑا ہوا منقطع المثیل ابنِ سبیل اور محدثِ عدیم القرین وشارحِ حدیثِ رسولِ امین صلی اللہ علیہ وسلم تیرہویں صدی کے اَواخر میں آدھمکا۔ یوں بظاہر وہ اکیلا ہی آیا؛ لیکن اپنے کشکول میں روشن ماضی کی روشنی اور اپنے رفقائے سفر کی حسین یادیں بھی ساتھ لایا۔ دیکھنے والے بتاتے ہیں، سننے والے سناتے ہیں اور لکھنے والے لکھتے ہیں کہ:

’’اشخاص ورجال جن کا تذکرہ وہ حلقۂ درس میں فرمایا کرتے تھے، ان میں زیادہ تر ایسی ہستیاں تھیں جواب دنیا میں موجود نہیں ہیں، زندہ علماء کا ذکر مشکل ہی سے ان کے درس میں ہوتا۔ اور زندہ کیا! سچ پوچھو تو حافظ ابنِ حجرؒ نویں صدی ہجری کے عالم ومحدث کے بعد والوں کے نام بھی ان کی زبانِ مبارک پر اتفاقاً ہی کبھی آتے ہوں گے۔ ان کے حلقۂ درس میں پہنچ کر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ درمیان کی چند صدیاں گویا حذف ہوگئیں ہیں، اور ہم

نویں، آٹھویں اور ان سے پہلے کی صدیوں میں گویا زندگی بسر کررہے ہیں۔‘‘

وہ ایک ستارہ نہیں؛ ایک آفتاب تھا، جو جنّتِ ارضی سے نمودار نہیں؛ طلوع ہوا تھا۔ وہ علم کا قطرہ نہیں؛ بحر طلاطم تھا۔ جب وہ بولتا، تو الفاظ نہیں؛ بلکہ علم وفن کے وہ چشمہ بہاتا، کہ قابلِ استعداد زمینیں اُن کے آبِ شیریں سے سیراب ہوتیں۔ وہ فنی اصطلاحات اور علمی الفاظ کا محض ناقل ہی نہیں؛ بلکہ اصطلاح ساز تھا، زبان میں ہندی نغمہ ہی نہ تھا؛ کیوں کہ لَے اس کی حجازی تھی۔

جب وہ ضروریاتِ دین کی تشریح کرتا، تو تواتر کے نئے چہرے سے نقاب اٹھا کرامّت کو سمجھاتا کہ چند روایتیں ہی متواتر نہیں؛ بلکہ دین کا سارا نظام ہی قطعی ویقین آفرینی کی کیفیت سے آراستہ وپیراستہ ہے، اور جو نفسیاتی اور منطقی قوت تواترِ اسناد میں پائی جاتی ہے؛ وہی تواترِ طبقہ، تواترِ عمل اور تواترِ قدرِ مشترک میں بھی پائی جاتی ہے۔ اگر وہ الفاظ حدیث پر کلام کرتا، تو ’’اعتبار‘‘ کی ایسی راہ سے روشناس کراتا کہ احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ روایت بالمعنی کے بجائے روایت باللفظ کی مد میں داخل ہوجاتا۔

ان چند اشارات وکنایات اور استعارات وابہامات کی وادیوں سے گزرتے ہوئے طبقۂ اہل علم کے دل ودماغ اور قلب وذہن میں جس شخصیتِ عظمیٰ کی دستک ہورہی ہے، اُسی کا نامِ نامی اور اسمِ سامی میری بھی مرادِ تعبیر ہے۔ یعنی: بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، علم کے بحر مواج، فکر وفن کے سراجِ وہاج، حافظ الحجۃ، مسندِ وقت، محدثِ عصر، مفسرِ زمان، فقیہ فرید، اصولی وحید، متکلم نظّار، مؤرخ وادیب، حضرت علاّمہ سیّد شاہ انور کشمیری رحمۃ اللہ علیہ۔

آیئے! ذرا ان گوناگوں صفات اور سلف کی یاد کی حامل شخصیت کی مختصر سوانح عمری، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے ان کی وابستگی اور اُن کی علمی خدمات، بالخصوص ان کے

وہ کارہائے نمایاں جو جامعہ ڈابھیل میں رہ کر انجام دیے، اُن پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

ولادت ومسکن

حضرت علّامہ کشمیریؒ جنّتِ ارضی وادیِ کشمیر کے مقام ''دودھ وان'' میں _ جہاں آپ کا نھیال تھا_ ۲۷؍شوال سنہ ۱۲۹۲ھ، مطابق ۱۷؍۱۷ اکتوبر سنہ ۱۸۷۵ء کو بہ روز شنبہ بہ وقتِ سحر پیدا ہوئے۔ والدِ بزرگوار ''پیر محمد معظّم شاہ'' کے نام سے معروف تھے، اور والدۂ محترمہ کا اسمِ گرامی ''بی بی مال دیدی'' تھا۔ شاہ صاحبؒ جس زمانے میں پیدا ہوئے، آپ کی والدۂ محترمہ اپنے میکے عارضی طور پر آئی ہوئی تھیں، جبکہ اس زمانے میں مولانا معظّم شاہ کا مستقل قیام ضلع مظفر آباد کے وادیِ نیلم کے موضعِ ''لوات'' میں تھا۔ بعد میں انھوں نے اپنے پورے گھرانے کیساتھ وادیِ نیلم سے منتقل ہو کر کچھ دنوں ''دودھ وان'' میں، اور پھر پرگنہ ''لولاب'' کے موضعِ ''ورنو'' کو اپنا مسکن بنالیا۔ اور یہی وہ قابل رشک گاؤں ہے جس کے سبزہ زاروں میں کھیل کود کر، اور جہاں کے چشموں کا پانی پی پی کر شاہ صاحب سنِ رُشد کو پہنچے۔

بسم اللہ خوانی

ایک دین دار گھرانے کے مزاج اور خاندانی رواج کے مطابق ٹھیک چار سال، چار ماہ اور چار دن کی عمر میں حضرت شاہ صاحب کی بسم اللہ خوانی کی تقریب کے ساتھ والدِ محترم نے قرآنِ شریف پڑھانا شروع کیا۔ الطافِ الٰہی کی برکت سے چھ سات سال کی عمر ہی میں آپ نے ناظرہ مکمل کرنے کے ساتھ ساتھ اس وقت رائج نصابِ تعلیم کی ابتدائی فارسی کتابیں اور فارسی صرف ونحو کے رسائل ختم کر لیے؛ بلکہ اپنے لوحِ قلب پر کندہ کر لیا اور وہ استعداد و دست گاہ حاصل ہوگئی جس کا اظہار آپ کی بے تکلف فارسی نثر

****

ونظم سے ہوتا ہے۔ اس کے معاً بعد فقہ کی ابتدائی کتابیں ''منیۃ المصلی'' اور ''مختصر القدری'' کے علاوہ ''گلستان'' اور ''بوستان'' بھی پڑھنے لگے۔ قابل حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جس زمانے میں بچوں کا ذہن ودماغ اور زبان؛ متن کے اصل الفاظ میں بھی اچھی طرح ساتھ نہیں دیتے، شاہ صاحب اسی زمانے میں عبارت کی موشگافیوں اور حواشی وبین السطور میں غور وخوض کرتے نظر آتے، گویا بچپن ہی میں ذکاوت وذہانت اور ایک تابناک مستقبل کے آثار چہرہ وبشرہ سے عیاں تھے۔ آپ کے والد ماجد کا بیان سنیے:

''جب انور شاہ نے حنفی فقہ کی مشہور ومعروف کتاب ''مختصر القدری'' مجھ سے پڑھنی شروع کی، تو مجھ سے بہ دورانِ درس بعض ایسے مسائل کے متعلق سوالات پوچھتے تھے کہ مبسوط کتابوں کے مطالعے کے بغیر جن کا جواب دینا مشکل ہوتا ہے۔ ہر چند میں انہیں اُن موشگافیوں سے روک کر صرف کتاب کے متن کو قابو میں لانے کی تلقین کرتا تھا؛ لیکن محض اپنی کتاب کی عبارت کے مفہوم تک محدود رہ کر چلنا ان کے بس کی بات نہ تھی۔''

الغرض! بارہ سال کی عمر تک اپنے شفیق والدِ ماجد مولانا معظّم شاہ سے اور گھر کے قرب وجوار میں رہ رہے دیگر بعض اساتذہ (مولانا عبدالجبار صاحب اور مولوی غلام محمد صاحب) سے تعلیم حاصل کی، اور کس قدر تعلیم حاصل کی؟ اس کا اندازہ اس سے لگالیجیے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک موقع پر خود فرمایا تھا کہ:

''میں بارہ سال کی عمر میں فتویٰ دینے پر قادر ہو گیا تھا، اور نو سال کی عمر میں علم فقہ اور علمِ نحو کی مطولات کا مطالعہ کر کے استاد کی مدد کے بغیر بعض مسائل کو حل کر لیتا تھا۔'' سچ ہے:

ایں سعادت بہ زورِ بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

****

دارالعلوم دیوبند میں

کشمیر میں ابتدائی علوم کی تکمیل کے بعد اب شوقِ علم نے مہمیز لگایا تو وادیٔ کشمیر کا دامن اس علمی تشنگی کو بجھانے کیلئے تنگ نظر آیا، اس لئے والد ماجد نے ریاستِ کشمیر کے مغربی کنارے پر واقع ضلع ''ہزارہ'' بھیجنے کا فیصلہ کیا، جو اس زمانے میں علم کا مرکز اور پختہ کار علماء کا مستقر بنا ہوا تھا۔ یہ سنہ ۱۳۰۵ھ کا زمانہ، اور آپ کی عمر کا تیرہواں سال تھا۔

چنانچہ آپ وادیٔ کشمیر کے دلکش نظاروں، بلند آہنگ آبشاروں اور بے نظیر مرغ زاروں کو خیر باد کہہ کر ''ہزارہ'' کے لئے نکل پڑے ضلع ''ہزارہ'' کے مختلف مراکزِ علوم وفنون میں تین سال رہ کر متعدد علمائے فن وصلحائے قوم سے علومِ عربیہ کی تحصیل کی۔

لیکن اب کیا کہیے کہ جس نے خواب دیکھے ہوں ''فوق الثریا'' کے، ''وہ تحت الثریٰ'' کو اپنی معراج کیوں سمجھے؟! ''ہزارہ'' کے مدارس میں مدارجِ عالیہ تک رسائی حاصل کر لینے کے باوجود آپ کی علمی پیاس کو تسکین اور آپ کے خواب کو تعبیر نہیں ملی تھی۔

لہٰذا مشیت ایزدی نے اس نیّرِ تاباں کو وادیٔ لولاب سے اٹھا کر وہاں پہنچا دیا جہاں پہنچنا ازل میں لکھا جا چکا تھا، وہیں جہاں کا ذکر جہاں کی شہرت آپ کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ اس طرح آپ سنہ ۱۳۱۰ھ میں کشاں کشاں ازہرِ ہند دارالعلوم دیوبند پہنچ گئے، اور اسی تعلیمی سال میں داخلہ لے کر کامیابی حاصل کی، کہ دارالعلوم کی روائیداد (سنہ ۱۳۱۱ھ) بتاتی ہے کہ:

''انور شاہ نامی مظفر آباد کے طالب علم نے ماہ شعبان سنہ ۱۳۱۱ھ میں حسامی اور ہدایہ اولین کا امتحان دے کر شاندار کامیابی حاصل کی۔''

اس طرح حضرت شاہ کا تعلیمی سلسلہ دیوبند کی نورانی وادی میں جاری رہا،

****

بالآخر سنہ ۱۳۱۴ھ میں علوم متداولہ کی تکمیل پر اساتذۂ دارالعلوم نے آپ کو سندِ فراغت عطا فرمادی۔ حضرت شیخ الہندؒ نے اپنی عطا کردہ سند میں حضرت شاہ صاحبؒ سے متعلق اپنے تأثرات ان الفاظ میں قلم بند فرمائے ہیں:

''خداوند تعالیٰ نے مولانا انور شاہ میں علم، سیرت، صورت، ورع، زہد، رائے صائب اور ذہن ثاقب کو جمع کر دیا ہے۔''

دارالعلوم دیوبند میں آپ کو جن اساتذۂ کرام سے شرف تلمذ حاصل رہا، ان میں خصوصیت کے ساتھ درج ذیل حضرات کا نام نامی قابل ذکر ہے:

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی، مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری، مولانا محمد اسحاق صاحب امرتسری (مہاجرِ مدنی)، مولانا غلام رسول صاحب ہزاروی دیوبندی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ۔

قیامِ گنگوہ اور سلسلۂ بیعت

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ ''گنگوہ'' تشریف لے گئے، جہاں آپ نے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے علمِ حدیث کے ساتھ فیوض باطنی بھی حاصل کئے۔

مولانا سیّد احمد رضا بجنوری رحمۃ اللہ علیہ (مرتّب انوار الباری) فرماتے ہیں کہ:

''احقر نے ریل گاڑی میں عرض کیا (جب امرتسر سے لاہور کو تشریف لے جا رہے تھے) کہ: شجرۂ چشتیہ میں آپ کے نام (یہ سفر بھاولپور سنہ ۱۹۳۲ء کا واقعہ ہے) کے بعد کن بزرگوں کا نام پڑھنا چاہیے؟ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا، اور مجھے اپنے والد (مولانا معظّم شاہ) سے بھی سہروردی خاندان میں بیعت لینے کی اجازت ہے۔''

ایک موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ:

****

''پانچ سال فارسی حاصل کرنے میں صرف ہوئے اوراگلے پانچ سال عربی کی تحصیل میں''۔

اس طرح آپ نے کل دس سال کے عرصہ میں، وادیِ لولاب سے ہوتے ہوئے ''ہزارہ'' کے راستے ''دارالعلوم دیوبند'' تک کے سفر میں رسمی تعلیم سے تو فراغت حاصل کرلی؛ مگراس علمی سفر میں آپ نے اب تک جو کچھ حاصل کیا تھا، وہ اپنے تئیں بہت کچھ ہونے کے باوجود اُس علم کا ایک جزوِ قلیل ہی تھا جو آگے چل کر آپ نے اپنی ذاتی محنت، ہمہ گیر مطالعہ اور علمی انہماک کے ذریعے حاصل کیا، جس علم وفضل کی بہتی دھارا کو دیکھ کر مصر وہند اور حجاز وشام کے بڑے بڑے اہلِ علم وکمال بھی انگشت بہ دندان رہ جاتے تھے۔

مدرسہ امینیہ دہلی میں مدرّس اوّل

اس کے بعد آپ نے اپنے ایک رفیق مولانا مشیّت اللہ صاحب بجنوریؒ کے اصرار پر کچھ عرصہ ''بجنور'' میں قیام فرمایا۔ یہاں رہ کر آپ نے اپنے شیخ گنگوہیؒ سے حاصل کردہ فیضِ باطنی کی عملی مشق کی، اورسب سے خاص بات کہ رفیق موصوف کا ایک ذاتی کتب خانہ تھا، جہاں موصوف نے اپنی کوششوں سے اچھی خاصی تعداد میں کتابیں جمع کررکھی تھیں، شاہ صاحبؒ نے اس قیام کو غنیمت جان کر ان کے کتب خانے سے بھرپور استفادہ کیا۔خدا جانے اس عرصہ میں کون کونسی کتابیں آپ کے مطالعہ میں آئی ہوں گی!!

اسی دوران آپ کے مخلص دوست مولانا امین الدین صاحب نے اپنے نئے قائم کردہ ادارے ____ جو بعد میں جاکر ''مدرسہ امینیہ دہلی'' کے نام سے مشہور ہوا ____ کے لیے مدرسِ اوّل کی حیثیت سے آپ کو اپنے یہاں مدعو کرلیا۔آپ نے متوکلاً علی اللہ تقریباً چارسال یعنی سنہ ۱۳۱۵ھ سے ربیع الاوّل سنہ ۱۳۱۹ھ تک تدریسی خدمات انجام دیں۔

****

کشمیر واپسی اور مدرسہ فیض عام کی بنیاد

پھر بعض حالات کی مجبوریوں کے باعث آپ کو اپنے وطن کشمیر آنا پڑا۔ یہاں آئے تو اپنے ہی لوگوں کو جہالت، بدعات وخرافات اور دین سے بیگانگی میں پڑا دیکھا تو اپنی خدمات کا میدان اور اپنے معارف کی شمع روشن کرنے کا مرکز اپنے وطن ہی کو بنانے کے آرزومند ہوئے۔اسی فکر وخیال کو لیکر اور ''بارہ مولہ'' کے رئیسِ خاندان خواجہ عبدالصمد ککرو کے اصرار پر آپ نے ''مدرسہ فیض عام'' کی بنیاد ڈالی، اوراسی مدرسہ میں تین سال تک (۱۳۲۰ھ تا ۱۳۲۳) تعلیمی خدمت اور تبلیغی فریضے کی ادائیگی کے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے، جن کے نتائج قرب وجوار کے علاقے پر پڑے اور رفتہ رفتہ بدعت وجہالت کی تاریکیاں چھٹتی رہیں۔آپ اپنے ایک فارسی مکتوب میں مدرسے کا تعارف کراتے ہوئے رقم طراز ہیں:

فقیر حقیر نے کشمیر کے مشہور قصبہ بارہ مولہ میں علمِ دین کی اشاعت اورفقہ حنفی کی اعانت کے لئے ایک درس گاہ کی بنیاد ڈالی ہے۔ جہاں فقہ وحدیث کی تعلیم بھی شروع ہوگئی۔بعض نیک نہاد اس اقدام کی خوبی پر مطلع ہوکر دین کی حمایت اور مدرسہ کی نصرت کے لئے آمادہ ہوگئے ہیں۔''

حرمین کی زیارت

''بارہ مولہ'' کے قیام کے دوران آپ کے دل میں حرمین شرفین کی زیارت کا شوق پیدا ہوا، جس کے نتیجے میں آپ مدرسہ فیضِ عام کا انتظام بعض مخلصوں کو سونپ کر، کل چھ افراد کی رفاقت میں سنہ ۱۳۲۳ھ میں سفرِ حج کے لئے روانہ ہوگئے۔

****

تاریخ نگاروں کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کا یہ سفر برائے سفر نہیں تھا؛ بلکہ آپ کا ارادہ حجاز میں مستقل مقیم ہو جانے، اور وہیں رہ کر تعلیم وتدریس کی راہ سے خدمتِ اسلام کا تھا، اس خیال سے کہ اپنی زندگی کو رسوم پرست ابنائے وطن سے بچا کر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں کسی بڑے مقصد پر صرف کر دوں اور حیاتِ مستعار ختم کرنے کے بعد وہیں پیوند خاک اور محوِ خواب ہو جاؤں۔ لیکن آپ کے رفیقِ سفر خواجہ عبدالصمد ککرو کے بار بار اصرار اور طویل گفت وشنید کے بعد شاہ صاحبؒ نے اپنا فیصلہ منسوخ کر دیا اور حج سے فراغت کے بعد سنہ ۱۳۲۴ھ میں بہ راہِ دہلی و دیوبند کشمیر پہنچ گئے۔

قابلِ ذکر امر یہ ہے کہ سفرِ حجاز کے دوران آپ نے مصر، شام اور طرابلس وبصرہ کے کئی جلیل القدر علما سے شرفِ ملاقات بھی حاصل کیا، اور ان علما نے بھی آپ کی بہت عزت وتکریم کی اور آپ کی بے نظیر لیاقت اور علمی استعداد کو دیکھ کر تبرکاً واعزازاً اسنادِ حدیث عطا فرمائیں، یہ دراصل فضیلتِ علمی کے اعتراف کا ایک طریقہ تھا جو اُس زمانے میں عالمِ اسلام میں مروّج تھا۔ مدینہ منورہ کے قیام کے دوران آپ نے خصوصیت کے ساتھ ''رسالۂ حمیدیہ'' کے مصنف شیخ حسن طرابلسی سے ملاقات کر ان سے علمِ حدیث میں استفادہ حاصل کیا، اور ان سے آپ کو باقاعدہ اجازت بھی حاصل ہوئی۔

مولانا انظر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

حرمین شریفین سے واپسی پر سنہ ۱۳۲۶ھ تک مسلسل فیض عام ہی کی خدمت میں وقت گزارا؛ لیکن کشمیریوں کے عام مزاج اور ابنائے وطن کی طویل ناقدردانی نے مرحوم کو وطن سے دل برداشتہ کر دیا۔ اپنے رفیق قدیم مولوی امین الدین صاحب دہلوی کو ایک مکتوب میں لکھا ہے: ''حقیر کو یہاں سے دل برداشتگی کا سبب یہ ہے کہ یہاں کی

آبادی کا طرز اور ان کی بدمعاملگی کا احساس شدید رہا، ایسا احساس مجھے قیام ہندوستان میں کبھی نہیں ہوا۔ پھر اگر مخلوق کی جانب احتیاج مخالطت ہوتی تو شاید یہ احساس میرے لئے موذی نہ بنتا؛ مگر تجرد کے باعث یہ احساس بڑھتا جا رہا ہے''۔

ارادۂ ہجرت بسوئے حجاز مگر قیام وتدریس بہ دیوبند

سابق میں یہ بات گزر چکی ہے کہ شاہ صاحب حجاز کی جانب ہجرت کا ارادہ رکھتے تھے۔ سفرِ حج سے واپسی پر عزیز واقارب کے ہزار ہا اصرار کے باوجود آپ نے تجرد کی زندگی کو ترجیح دی اور عزم ہجرت کی راہ میں کی گئی ساری کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ چنانچہ آپ نے سنہ ۱۳۲۸ھ میں ہجرت کے ارادے سے رخت سفر باندھا اور راستے میں اپنے مشفق ومحبوب استاذ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی آرزو لے کر دیوبند تشریف لے گئے اور اپنے استاد کو اپنے ارادہ سے باخبر کیا۔ استاد محترم چونکہ پہلے سے اپنے شاگردِ عزیز کی غیر معمولی صلاحیتوں سے واقف تھے۔ اس کی فراست صادقہ بتا رہی تھی کہ مستقبل میں دارالعلوم کو جس ممتاز اور قابل صدر مدرس اور یگانہ محدث کی ضرورت ہے، یہ شاگرد اس معیار پر پورا اترتا ہے۔ اس لئے استاد نے اس سعید شاگرد کو دیوبند میں قیام کا حکم دے دیا۔ اب محبوب استاد کا حکم ہو اور شاگردِ سعید سرِ تسلیم خم نہ کرے؛ یہ کیسے ممکن ہے؟ چنانچہ شاہ صاحبؒ نے اپنے استاد جلیل حضرت شیخ الہندؒ (صدر المدرسین)، حافظ محمد احمد صاحبؒ (مہتمم دارالعلوم دیوبند) اور دیگر اساتذہ کے حکم کا پاس لحاظ رکھتے ہوئے اپنے ارادۂ ہجرت کو ملتوی کر کے دارالعلوم کے قیام کو قبول فرما لیا۔

عقدِ مسنون

اشارتاً یہ بات آچکی ہے آپ ہجرت کا ارادہ اور فنا فی العلم ہونے کی وجہ سے

تجرد کی زندگی پسند فرماتے تھے، جس کی بنا پر تینتالیس-چوالیس سال تک آپ اِسی تجرد والی زندگی کو ترجیح دیتے رہے۔ ادھر اکابر دارالعلوم کو ہر وقت یہ خدشہ لگا رہتا تھا کہ ہجرت کی نیت نے اگر دل میں جوش وابال مارا تو شہباز دیوبند کے مرغ زار سے پرواز کر کے کوہستانِ حجاز کو اپنا مسکن نہ بنالے۔ بنابریں دارالعلوم میں اس سلسلے کے مشورے ہوئے اور اس کے بعد مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی (دارالعلوم دیوبند کے نائب مہتمم) کی معاملہ فہمی اور حسنِ تدبر کے نتیجے میں ''گنگوہ'' کے ایک سادات خاندان میں سنہ ۱۳۳۶ھ اس آہوئے گریز پا کا عقدِ نکاح کروا کر ازدواج اور تأہل کی مسنون زنجیر پہنائی گئی۔

دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات

جب آپ نے دارالعلوم کی تدریسی خدمت کو قبول فرمالی، تو سب سے اوّل صحیح مسلم، سننِ نسائی اور سنن ابن ماجہ کا درس آپ کے سپرد کر دیا گیا۔ گزرتے وقت کے ساتھ سنن ابوداؤد کا سبق بھی آپ کے ذمّے آیا، اور اس طرح سنہ ۱۳۲۸ھ سے سنہ ۱۳۳۳ھ تک تقریباً چھ سال کے عرصے میں درجۂ علیا کے معلّمین میں شامل رہے اور حضرت شیخ الہند کے زیرِ سایہ مختلف علوم وفنون کی چھوٹی بڑی کتابیں پڑھاتے رہے۔

پھر وہ وقت بھی آیا کہ جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صدر مدرسی کی ذمے داری منتقل کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے لئے دارالعلوم کے اساتذہ میں صرف شاہ صاحب ہی ایسے معلم تھے جن میں حضرت شیخ الہند کا عکس اور پرتو نظر آتا تھا۔ مولانا محمد سیّد میاں صاحبؒ کے الفاظ میں اگر کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا کہ:

''دارالعلوم کی جانشینی ایک ایسا قبا تھا جو بلا کسی قطع و برید کے حضرت شاہ

صاحبؒ کے قامتِ موزون پر راست آرہا تھا''

چنانچہ حضرت شیخ الہند کے ایما پر اور دیگر اکابر کی رائے پر شیخ الہندؒ کی نیابت کے لئے آپ ہی کا انتخاب عمل میں آیا، اور عہدۂ صدر مدرسی اور شیخ الحدیث کا منصب آپ کو دے دیا گیا۔

اس انتخاب کے بعد آپ نے صحیح بخاری اور سنن ترمذی کا سبق ایک ایسے انقلاب انگیز طریقے پر جاری کیا جس سے دارالعلوم کی تدریس اور تعلیم کی پرانی روایتیں یکسر بدل گئیں۔ آپ کی نابغیت اور جامعیت کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی اور طالبان حدیث دارالعلوم کا رخ کرنے لگے۔

حضرت قاری محمد طیّب صاحبؒ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) لکھتے ہیں کہ:

''حضرت شیخ الہند کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت شاہ صاحب نے قائم مقام صدر مدرس کی حیثیت سے درسِ ترمذی و بخاری کو سنبھال لیا اور علمی پیاسوں کو یہ محسوس نہ ہوا کہ وہ علم کے بحرِ ذخّار سے محروم ہو گئے ہیں؛ بلکہ انہیں یہ محسوس ہوا کہ اگر سمندر سامنے نہیں رہا تو اس سمندر سے نکلا ہوا ایک عظیم الشان دریا اُن کے سامنے ہے جو اپنی بعض امتیازی خصوصیات کے ساتھ بدل الغلط نہیں، بلکہ بدلِ صحیح ہے، جس سے بلا تأمل علوم کے پیاسے سیراب ہونے لگے اور آبِ حیات سے قدیم وجدید سیرابی میں انھیں کوئی زیادہ فرق محسوس نہ ہوا؛ بلکہ شاہ صاحب کے درس حدیث میں کچھ ایسی امتیازی خصوصیات نمایاں ہوئیں جو عام طور سے دروس میں نہیں تھیں اور حضرت شاہ صاحب کا اندازِ درس درحقیقت دنیائے درس وتدریس میں ایک انقلاب کا باعث ہوا۔''

آپ کی تقریباً بارہ سالہ (یعنی سنہ ۱۳۳۳ھ سے سنہ ۱۳۴۶ھ تک کے) عہدِ

صدارت میں کل ۸۰۹؍طلبہ نے دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی تھی۔

حِسبتاً للہ خدمتِ تدریس

شاہ صاحبؒ کی زندگی کا یہ پہلو بھی ایک نمایاں خصوصیت رکھتا ہے۔ دارالعلوم میں بحیثیت مدرّسِ دوم تقرّری کے وقت سے لے کر سنہ ۱۳۳۴ھ تک کل سات سال سات ماہ مسلسل تنخواہ طے کئے بغیر ہی خدمات انجام دیتے رہے، اس طویل عرصے میں تنخواہ کے تعلق سے آپ کا جو رنگ رہا، دارالعلوم کی روئیداد (سنہ ۱۳۳۴ھ-سنہ ۱۳۳۹ھ) اُس پر روشنی ڈالتی ہے:

''اوّل اوّل تو کچھ نہیں لیا، بعدہ ضروری متفرق اخراجات کے لئے بہ اصرار تمام کبھی دس روپیے، کبھی پندرہ روپے اور اب کچھ دنوں سے ۲۵؍روپے ماہوار قبول فرما لیتے ہیں۔''

یہ مشاہرہ بھی شاہ صاحب نے بدرجۂ مجبوری قبول فرمایا تھا، کیوں کہ اب تجرد کی زندگی رہی نہیں تھی، تأہل کے بعد عائلی اور خاندانی زندگی کی داغ بیل پڑ چکی تھی، زندگی کے علائق ایک ایک کر کے بڑھتے ہی چلے گئے، جس کے نتیجے میں انہیں دارالعلوم کی طرف سے یہ اور اس کے بعد کچھ اضافے کے ساتھ قلیل تنخواہ قبول کرنی پڑی تھی۔

بہر حال! ہجرت کا ارادہ لے کر نکلنے والا یہ مسافر اپنے اکابر واساتذہ کے حکم پر دارالعلوم دیوبند میں جب قیام کرتا ہے، تو کوئی ۱۹؍سال کے عرصے میں اُس نے جو انقلابی دروس کا سلسلہ جاری کیا، اُس کے نتیجے میں علما کی ایک بڑی جماعت تیار ہوئی جو مختلف علوم وفنون اور دین کے الگ الگ شعبوں کے آفتاب ومہتاب بن کر نکلے اور چمکے۔ دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ تدریس میں طلبہ کے ساتھ فضلا نے بھی آپ سے بھرپور

****

استفادہ کیا، دور دراز کے علما اپنی علمی مشکلات کو حل کرنے کے لئے دیوبند آتے اور آپ سے اپنی علمی پیاس بجھاتے۔

اسی زمانۂ تدریس میں جب فتنۂ قادیانیت نے بال و پر نکالے تو اس فتنۂ کبریٰ کی بیخ کنی میں اپنی تمام علمی وعملی توانائیاں صرف کر دیں، تلامذہ کو قادیانیت کے خلاف محاذ پر لا کھڑا کیا اور بہت سے مقررین واہلِ تصنیف اس طرح بنا ڈالے کہ وہ قادیانیت کی شہ رگ کے لئے تیز چھری ثابت ہوئے۔ بلاشبہ آج قادنیت، کفر کے مترادف ایک حقیقت جس قوّت سے سمجھی جارہی ہے وہ ان ہی مجاہدانہ عزائم کا ایک عکسِ جمیل ہے۔

ڈابھیل میں آمد

''تاریخ جامعہ'' (تعلیم الدین ڈابھیل) سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب مع رفقاء ____ جو بعد میں بہ حیثیتِ مدرّسین ڈابھیل تشریف لائے ____ سنہ ۱۳۴۶ھ میں اپنے تلمیذِ خاص مولانا محمد بن موسیٰ میاں افریقی (جو سنہ ۱۳۴۴ھ میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کر چکے تھے) کی تقریبِ شادی میں تشریف لائے تھے۔ شعبان سنہ ۱۳۴۶ھ کی ۱۰؍ تاریخ سے ۱۳؍تاریخ تک ڈابھیل میں تھے، اور ''مدرسہ تعلیم الدین'' کا سالانہ امتحان بھی لیا تھا، اور امتحان کے بعد اس وقت کے تعلیمی معیار اور اساتذہ کی محنت کو سراہتے ہوئے اپنے تأثرات بھی قلم بند فرمائے تھے جو آج بھی رجسٹر معاینہ میں موجود ہے۔ بہ طورِ نمونہ حضرت شاہ صاحب نے جو کیفیت وتبصرہ اپنے قلم سے تحریر فرمایا تھا، وہ پیشِ خدمت ہے:

الحمد لله و كفى و سلام على عباده الذين اصطفىٰ

احقر محمد انور ____ عفا اللہ عنہ ____ بہ ہمراہی مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبند سے ڈابھیل آئے، اور حسبِ ارشاد مولانا مولوی احمد بزرگ صاحب

****

مدرسہ تعلیم الدین کا سالانہ امتحان لیا۔ بحمد اللہ میرے پاس کل طلبہ نے کامیابی کے نمبر حاصل کئے اور استعداد طلبہ کی خیال سے زائد دیکھی، اور معلوم ہوا کہ اس خطے میں اس مدرسہ کا وجود موجبِ برکات ہے، اور جناب مہتمم صاحب و مدرّسین اپنے فرائض کو حق بہ حق اخلاص اور ایثار کے ساتھ ادا کر رہے ہیں۔ حق تعالیٰ معاونین کی نیّت اور مال و کاروبار میں برکت روز افزوں نصیب کرے، آمین۔ ۱۰؍شعبان ۱۳۴۶ھ

احقر محمد انور شاہ کشمیری عفا اللہ عنہ

شاہ صاحب مع رفقا کو اسی آمد کے موقع پر اگلے سال (یعنی مدرسے کے نئے تعلیمی سال میں) ڈابھیل آنے کے لیے اُنھیں آمادہ کرلیا گیا تھا، اور اُسی طے شدہ پروگرام کے ماتحت ۵؍ذی الحجہ سنہ ۱۳۴۶ھ کو حسبِ ذیل حضرات باقاعدہ اساتذہ کی حیثیت سے تشریف لے آئے:

(۱) شیخ الاسلام حضرت علامہ سیّد محمد انور شاہ کشمیری (۲) شیخ التفسیر حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی (۳) حضرت مولانا سیّد سراج احمد صاحب رشیدی (۴) جناب مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی دیوبندی (۵) جناب مولانا بدرِ عالم صاحب میرٹھی (۶) جناب مولانا سیّد محمد ادریس صاحب سکروڈھوی (۷) جناب مولانا ابوالقاسم حفظ الرحمٰن سیوہاروی (۸) جناب مولانا محمد یحییٰ صاحب تھانوی (۹) جناب مولانا سعید احمد صاحب آگروی (اکبرآبادی) (۱۰) حضرت مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ (مفتی عزیز الرحمٰن صاحب پیرانہ سالی کی وجہ سے قافلے کے ساتھ تشریف نہیں لائے؛ بلکہ کچھ عرصے بعد تشریف آوری ہوئی تھی)

...........جاری...........

****

اخبار دارالعلوم

ششماہی امتحان

دستور کے مطابق ربیع الاوّل میں مدرسے کے جملہ شعبہ جات حفظ، ناظرہ، تجوید، عربی و تکمیلات میں ششماہی امتحانات منعقد ہوئے۔ طلبۂ کرام اور اساتذۂ عظام نے یکسوئی اور توجہ کے ساتھ امتحانات کو تکمیل تک پہنچایا۔ امتحانات کے بعد نئی پڑھائی کے لئے درمیان میں دو تین دن کا ہی وقفہ تھا۔ اس دوران بعض طلبہ اپنے والدین کی زیارت اور ملاقات کے لئے بھی تشریف لے گئے، تاہم واپس آ کر اپنی پڑھائی میں وقت پر مشغول ہوگئے۔ اسی طرح سے بغیر کسی تبدیلی کے تعلیم کا نظام بر وقت جاری ہوسکا، اس سال اس موقع پر اگرچہ فصل کٹائی زوروں پر تھی اور دیہات میں یہ وقت کافی مشغولیت کا ہوتا ہے اس لئے بعض مرتبہ کسان لوگ اپنے بال بچوں سمیت فصل کو سمیٹنے میں لگ جاتے ہیں تاہم طلبہ کی اکثریت متاثر نہیں ہوئی۔ مجبوری کی وجہ سے ہی بعض طلبہ وقت پر حاضر نہ ہوسکے، بلکہ اکثریت نے تو فون پر رخصت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ یہ رُجحان بہ نسبت سابق کے اچھا معلوم ہوا۔

وفیات

۱۔ حضرت حافظ محمد اصغر صاحب بھنیسر ہیڑی ضلع مظفرنگر میرے حفظ کے استاذ تھے ان کا انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس عطا فرمائے۔

۲۔ دعوت وتبلیغ کے مشہور ذمہ دار جناب حاجی عبدالقیوم زاڈو کے برادر گرامی، جناب فاروق احمد صاحب زاڈو کا انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرما کر جنت الفردوس عطا فرمائے۔

۳۔ جناب ماسٹر الطاف صاحب بابا ولی گوٹلی باغ کے پھوپھازاد بھائی محمد شفیع شاہ کا بھی انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ جنت نصیب فرمائے۔

۴۔ ناظم دارالعلوم رحیمیہ کے چچازاد بھائی جناب عبدالقیوم میر صاحب کا مورخہ ۱۱؍ربیع الثانی ۱۴۴۷ھ اچانک بیماری کے ایک حملہ میں انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اسی روز بعد نماز عشاء نماز جنازہ ہو کر قبرستان میں آسودۂ خاک ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ جنت نصیب فرمائے۔

دارالعلوم رحیمیہ میں جملہ مرحومین کے لئے ایصال ثواب کیا گیا

قارئین کرام سے بھی دعائے مغفرت وایصال ثواب کی گذارش ہے

****